ستر ھویں قسط

تاریخ طبری کے مآخذ

نوشتہ: ڈاکٹر جواد علی، عراق اکاڈمی بغداد

ترجمہ: نثار احمد فاروقی۔ دلی کالج دہلی

تاریخ روم الطبری نے تاریخ روم کو تاریخ فارس خیال کر کے اس میں اختصار سے کام لیا ہے چنانچہ ان کے بارے میں جو کچھ تاریخ ایران میں پایا اسے فصول میں یکجا کر دیا۔

مگر فصل جس کا عنوان ہے: "ذکر من ملک من الروم أرض الشام بعد رفع مسیح علیہ السلام إلی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خول النصاری"[1]، یہ بادشاہوں کے نام اور ہر بادشاہ کی مدت حکومت کی فہرست ہے۔ لیکن الطبری نے بادشاہوں کے زمانہ حکومت کو عیسوی سنہ سے ظاہر نہیں کیا ہے جو نصاریٰ کا معمول ہے، نہ اسے سکندر کے وقت سے شمار کیا ہے جیسا کہ بعض مورخین کرتے ہیں، نہ تقویم بصری، کی رو سے، جس کا آغاز اس کے روم میں داخلے سے ہوتا ہے جو سنہ ۱۰۵ء میلادی کا واقعہ ہے[2]۔

تاریخ روم کو بھی فارس کی تاریخ سمجھ کر اس میں اختصار کرنا اسلامی مورخوں میں الطبری ہی کی بدعت نہیں ہے بلکہ یہ عام طریقہ ہے جس پر ہر اس مورخ نے عمل کیا ہے جو عام تاریخ، یا تاریخ عجم یعنی ایران و روم کے بادشاہوں کا حال لکھنے بیٹھا ہے۔

اس کا سبب شائد یہ ہے کہ اہل فارس مسلمانوں میں گھل مل گئے تھے مگر کچھ لوگ اپنی پرانی قومیت اور پچھلی تاریخ پر فخر کرتے تھے اور انھوں نے کتب تاریخ کی شکل میں اس قدیم ورثے کو محفوظ رکھا

---

[1] الطبری ۲/ ۲۵ (طبع مطبع حسینیہ مصر) [2] زیدان: العرب الاسلام/ ۲۰۳

پھر انہیں عربی زبان میں منتقل کر دیا۔ ادھر رومیوں اور مسلمانوں کا تصادم ہوا۔ ان دونوں کے مذہب اور عقائد میں صریح اختلافات تھے اس لئے یہ رومی اور وہ ایرانی ایک ہی موضوع بن گئے روم کے بادشاہ ملوک یونان اور ملوک رومیہ[۱] ہیں جیسے طبری رومہ[۲] لکھتا ہے۔ اسی طرح سب مورخ لکھتے ہیں۔ ان سے روم کے قیصر مراد ہوتے ہیں۔ نسابین نے یونان کو آدمی بنا ڈالا ہے جس سے سلسلہ نسب چلا اور اس کی اولاد میں بزنطی ہوا اور ان دونوں کی طرف روم کو نسبت ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ "بنو رومی بن بزنطی بن یونان بن یافث بن نوح[۳]" ہیں۔ نسابوں کی ایک جماعت نے انہیں عیصو بن اسحٰق پیغمبر[۴] کی اولاد بتا دیا ہے۔ انھوں نے عیصو بن اسحٰق کا نام توراۃ میں پڑھا ہوگا یا کسی اہل کتاب سے سن لیا ہوگا۔ مگر انھوں نے غلطی کی ہے۔ اس کی طرف یونان اور روما کی نسبت میں تو شک نہیں مگر عیصو یا عیسو (ESAU) اور روم کی کوئی نسبت توراۃ میں درج نہیں ہے۔ عیسو[۵] تو ادوم ہے[۶]۔ جس کی نسل ادومی کہلاتی ہے اور یہ جبل سعیر پر عرب کے مشرق میں آباد تھی جس جگہ یہ آباد ہوئے وہ ادوم کہلانے لگی۔ یہ علاقہ تخوم اور جنوبی کنعان پر مشتمل ہے بعد میں پھیل کر طور سینا اور عرب کے پتھریلے علاقے (العربیۃ الصخریہ) سے متصل ہو گیا۔ یہ وہ علاقہ ہے جسے ادومیوں سے نبطیوں نے چھین لیا اور اس میں بس گئے تو یہ ان کے نام سے منسوب ہو گیا[۷]۔ مگر ادوم اور روم میں کوئی نسبی رشتہ یا قرابت نہیں ہے۔ ابن الکلبی سے ایک روایت بیان ہوئی

۱؎ البلدان ۴/۳۲۱ ۲؎ دیکھو فہرست تاریخ طبری (مرتبہ دی غوے) ۱۹/۷، نیز تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء مولفہ حمزہ بن الحسن الاصفہانی / ۴۶

۳؎ البلدان ۴/۳۲۷ ۴؎ البلدان ۴/۳۲۷ - اللسان ۱۵/۱۵۰

۵؎ اس لفظ کے معنی ہیں "اشارہ کرنے والا" یا "کھردرا"، قاموس الکتاب المقدس ۲/۱۳۸ HASTINGS P 235

۶؎ ادوم کے معنی ہیں سرخ۔ یہ عیسی بن اسحٰق کا لقب ہے۔ قاموس الکتاب المقدس ۱/۵۳

۷؎ قاموس الکتاب المقدس ۱/۵۳ HASTINGS P. 203

ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ روم العیص کی نسل سے ہیں جو عیصو کہلاتا ہے۔ یہ اسحٰق پیغمبر کا بیٹا ہے اس سے قسطنطنیہ کے رومی اور روم کے بادشاہ پیدا ہوئے[1] ہمیں خبر نہیں کہ ابن الکلبی ان کا جوڑ کیسے ملاتا ہے اور اسے یہ نسب کس نے بتایا، غالباً ان لوگوں نے اہلِ کتاب کے مدعیان علم سے یہ روایات لی ہیں جنھوں نے ان راویوں کے لئے جہالت سے گھڑ لیا ہے یا جیسی اس وقت مشہور تھیں ان تک بجنسہ پہنچا دیا ہے۔ مگر ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے۔ یہ ابن الکلبی کی اپنی گھڑنت ہے یا پھر ابن الکلبی جیسوں نے گھڑی ہے جو ایسی من گھڑت باتیں اس لئے شائع کرتے تھے کہ ان کی علمیت کا شہرہ ہو کہ ہر بات سے واقف ہیں اور قدیم تاریخ پر خوب نظر رکھتے ہیں!

میرا خیال ہے کہ نام رکھنے کی یہ توجیہہ عربوں میں روما کی عظمت کے زمانے میں آئی ہوگی جب رومی پادریوں نے اپنا نفوذ بڑے علاقے پر جما لیا جس میں یونانی مقبوضات بھی شامل تھے۔ تو اس وقت ان کے پیروؤں کو رومیہ یا رومانیوں کا پیرو کہا جانے لگا۔ یاقوت الحموی نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے: "بعضوں کا کہنا ہے کہ ان کو روم اس لئے کہا گیا کہ یہ شہر رومیہ کی طرف اضافت ہے اور رومی زبان میں اس کا نام رومانس ہے، جب یہ لفظ عربی میں دخیل ہوا تو ان لوگوں کو رومی کہنے لگے۔"[2]

اس سے بھی پہلے المسعودی نے یہ خیال ظاہر کیا۔ اس نے رومیوں کے یونان پر غلبہ حاصل کرنے انھیں اپنے میں شامل کر لینے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: "ان کا نام تو رہ گیا، ان کا ذکر ختم ہو گیا

---

[1] البلدان ۴/۳۲۷۔ اس سلسلے میں دوسری روایات بھی ہیں مگر ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔ یہ روم کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں بیان ہوتی ہیں۔ التنبیہ والاشراف/۱۰۰

[2] البلدان ۴/۳۳۱۔ رومیہ بھی روم ہے جسے رومیۃ الکبریٰ کہا جاتا ہے اس کا ذکر کتب جغرافیہ میں ہے اسے رومنس بادشاہ روم نے بنایا تھا۔ تاج العروس ۸/۳۲۱

اور سب مل کر روم ہی کی طرف منسوب ہوگئے ہیں[1]

مورخین نے یونان اور روم کی زبانوں میں بھی فرق کیا ہے۔ ابن ساعد الاندلسی (متوفی ۴۶۲ھ) کہتا ہے[2]: "اور پانچویں امت روم ہے۔ اس قوم کا بڑا ملک ہے، جاہ وجلال والے بادشاہ ہیں، ان کا علاقہ بلاد یونان کے پاس ہے اور ان کی زبان یونان کی زبان سے مختلف ہے۔ چنانچہ یونان کی زبان اغریقی ہے اور روم کی لاطینی۔

یونان کی وجہ تسمیہ | توراۃ میں یاوان کا نام آیا ہے[3]۔ یہ رافث الرابع کا بیٹا ہے جو یونانیوں کا ابوالآباء تھا۔ اس سے عام طور پر ایونیون (IAON, IONIAN یعنی GREEK)[4] مراد ہیں لفظ یاوان (JAVAN) یا (JAON) ہی سے، میرے قیاس کے مطابق، عربوں نے لفظ یونان بنایا ہے اور اس لفظ کا اطلاق ان تمام قبائل پر کرنے لگے جو ہیلاس وغیرہ میں رہتے تھے، اور اس شہنشاہیت کو کہنے لگے جس کا صدر مقام قسطنطنیہ تھا۔ اس لئے ان کے بادشاہوں کو بھی ملوک الیونانیین (یونانی ملوک) کہا گیا تا کہ انہیں ملوک رومیہ سے الگ پہچانا جائے جو روم کے پادری تھے[5]۔

الطبری نے یونانی، ملک یونان اور یونانی باشندوں کا تذکرہ روم کے بالمقابل کیا ہے[6] اس کا منشا وہ لوگ ہیں جنہیں آج ہم رومان کہتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے قلوبطر کے بعد شام پر حکومت کی وہ جایوس یولیوس تھا جو روم کا بادشاہ تھا۔ پھر اغطسس آیا جس نے ۵۶ سال حکومت کی۔ جب اس کی حکومت کو ۴۲ سال گذرے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت اور سکندر کے عروج میں تین سو تین سال کا وقفہ ہے[7]۔ ان سے الطبری ان بادشاہوں کو

---

[1] التنبیہ والاشراف/ ۱۰۰ [2] طبقات الامم (طبع بیروت ۱۹۱۲ء) / ۲۳ [3] التکوین: الاصحاح العاشر آیہ ۲۔ و اخبار ایام الاول: الاصحاح الخامس۔ آیہ ۴ [4] قاموس الکتاب المقدس ۲/ ۵۵۷۔ [5] HASTINGS P427

[5] حمزۃ الاصفہانی: تاریخ سنی ملوک الارض والانبیاء/ ۵۵ و ۴۵

[6] الطبری ۲/ ۹ [7] الطبری ۲/ ۱۰

مراد لیتا ہے جنہوں نے رومی بادشاہ قلو بطرہ کے بعد شام پر حکومت کی۔ یعنی اباطرہ رومان۔

الطبری نے تاریخ فارس کی فصلوں میں روم کے متعلق جو باتیں گڈ مڈ کردی ہیں اور انہیں ایک ہی لڑی میں پرو کر روایتِ واحدہ بنا دیا ہے اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اس نے تاریخ فارس کے مصادر پر زیادہ اعتماد کیا ہے یا ان مآخذ سے لیا ہے جو فارسی سے ترجمہ ہو کر آئے۔ اور تاریخ روم یا رومی زبان سے ترجمہ ہونے والی کتابوں سے کم اخذ کیا ہے۔ اس میں ایک خطرہ یہ رہتا ہے کہ اہل فارس رومیوں کے دشمن تھے اس لئے ان کی کتابیں یا فارسی سے ترجمہ ہونے والی کتابیں عصبیت کے اثر سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ پھر یہ کہ جن مورخوں نے تاریخ فرس کی طرف توجہ دی یا اکی کتابوں کو فارسی سے ترجمہ کیا وہ سب فارسی الاصل تھے یا اس طبقے کے تھے جس کا میلان فارس کی طرف مشہور ہے اس لئے الطبری نے فارس اور روم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے قبول کرنے میں ہمیں احتیاط کرنی چاہیئے۔

کتابی روایات | بعض روایات کے آخر میں الطبری نے جو عبارتیں یا استدراک درج کیا ہے جیسے: "و أما الروم وكثير من اهل الانساب" [1] یا یہ قول: "فیما ذکر الروم..." [2] یا: "فی قول النصارى و اهل الكتب" [3] وغیرہ۔ یہ طبری نے کتابوں سے اخذ کئے ہیں۔ اس کی عادت ہے کہ لکھی ہوئی کتابوں کے نام چھوڑ جاتا ہے اور صرف ایسے جملوں پر اکتفا کرتا ہے جو اوپر درج ہوئے۔ یہی اس نے تاریخ فرس میں اور دوسرے مقامات پر کیا ہے۔ یہ عبارتیں اس نے کتابوں اور دستاویزوں سے نقل کی ہیں اور رجال پر بھروسہ نہیں کیا اس لئے سند بھی چھوڑ گیا۔

جن مآخذ سے الطبری نے تاریخ روم نقل کی ہے ہمیں لازماً ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو روم سے متعلق عربی میں لکھی گئی ہیں یا تاریخ و اخبار کی وہ کتابیں جو یونانی اور لاطینی زبانوں سے ترجمہ ہوئیں۔ یہ خود ایک تحقیق کا موضوع ہے۔ عربی مراجع ابھی تک بہت کم ملتے ہیں اس سلسلے

---

[1] الطبری ۲/ ۹ [2] الطبری ۲/ ۱۰ [3] الطبری ۲/ ۲۵-۵۶

کی بیشتر کتابیں یا تراجم ضائع ہو گئے پھر کتابوں میں ان کے نام تک نہیں ملتے اس سے ہم ان کے باب میں بالکل ہی ناواقف ہیں۔

ابن الندیم نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو تاریخ یا کہانیوں کے موضوع پر اہل روم نے[1] لکھیں اور وہ عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ان کتابوں کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصص وحکایات میں تھیں اور ممکن ہے کہ قصہ گویوں، اخباریوں اور ناقلوں کی وضع کردہ ہوں۔ اس کا بیان ہے کہ ان میں ایک کتاب سمس ودمن، کلیلہ ودمنہ کی طرح پر تھی۔ وہ کہتا ہے: "یہ بہت ہی خشک اور اکتا دینے والی کتاب ہے اور شاید کسی کی گھڑنت ہے۔" کتاب تاریخ الروم کے مولف یا مترجم کا نام ابن ندیم نے نہیں لکھا۔ حمزہ اصفہانی نے یونانیوں کے اخبار میں ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جسے موصل کے پادری حبیب بن بہریز نے تالیف کیا تھا یا یونانی سے ترجمہ کیا تھا۔ اس سے اس نے یونانی بادشاہوں کے سنین اور تاریخیں اخذ کی ہیں[2]۔ یہ حبیب وہی ہے جس نے المامون کے لئے کئی کتابوں کی شرح لکھی تھی[3]۔

پادریوں کی تصانیف | بعض اور پادریوں نے بھی تاریخ کی کتابیں لکھیں اور ان میں لاطینی ویونانی تصانیف پر اعتماد کیا پھر ان مولفات سے بعد کے مورخین نے اخذ کیا۔

المسعودی (متوفی ۳۴۵ھ یا ۳۴۶ھ) نے کچھ اہل کنیسہ کے نام لکھے ہیں جنھوں نے تاریخ کے موضوع پر کتابیں لکھیں اور اس میں تاریخ روم ویونان سے بحث کی ہے[4]۔ ان میں سے بعض سے وہ ملا تھا اور بعض کو اپنے سفروں میں دیکھا تھا مثلاً، سعید بن البطریق جو ابن الفراش کے نام سے مشہور ہے۔ یا بطریرک کرسی مارقس جو اسکندریہ میں تھا۔ اس سے فسطاط (مصر) میں ملاقات ہوئی۔ اس کی ایک کتاب تاریخ عام کے موضوع پر ہے جس میں الراضی باللہ کی خلافت کے زمانے تک کا حال آگیا ہے۔ اسی طرح محبوب بن قسطنطین المنجی آثناپوس راہب مصری، یہ بھی ایک تاریخ

---

[1] الفہرست / ۳۲۵ [2] حمزہ / ۵۵-۵۶ [3] الفہرست / ۳۴۱ [4] التنبیہ والاشراف / ۱۳۲

کی کتاب کا مولف ہے جس میں ملوک روم اور دوسری امتوں کے حالات و واقعات آدم سے لیکر قسطنطین بن ہیلانی تک ہیں۔ اسی طرح یعقوب بن زکریا الکسکری الکاتب اور ابوزکریا ونحا نصرانی وغیرہ۔

اس نے تاریخ کی ایک اچھی کتاب کا حوالہ دیا ہے جسے قنیس المارونی نے لکھا تھا اس میں آفرینش، انبیاء، کتب، امم اور ملوک روم اور ان کے اخبار ہیں یہ المکتفی کی خلافت پر ختم ہوتی ہے اس کتاب کی المسعودی نے تعریف کی ہے[1]۔

المسعودی کہتا ہے کہ جن کتابوں میں ملوک روم اور ان کے اخبار ملتے ہیں ان کے نسخوں میں اختلاف ہے اور بادشاہوں کے نام اور مدت حکومت کا تعین کرنے میں وہ متفق نہیں ہیں۔ ان میں اکثر رومی زبان میں ہیں۔ یہ نصاریٰ کی ملکی کتابوں میں موجود ہیں[2]۔ حمزہ نے بھی اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حمزہ نے تاریخ یونان و روم پر جو کچھ لکھا ہے اس کے سلسلے میں چار ماخذوں سے مدد لی ہے۔ ایک تو کتاب اخبار الیونانیین جسے حبیب بن بہریز کی تصنیف یا ترجمہ بتایا ہے دوسری تاریخ کی کتاب جو بغداد کے قاضی وکیع نے لکھی تھی۔ وکیع کہتا ہے کہ اس نے روم کی تاریخ ایک ایسی کتاب سے اخذ کی ہے جسے رومی بادشاہوں میں سے ایک نے لکھا ہے اور بعض مترجموں نے اسے رومی زبان سے عربی میں منتقل کیا تھا اس میں قسطنطین کے ابتدائی زمانے سے ۳۰۰ھ تک کے حالات املاء سے لکھے گئے جسے ایک رومی شخص نے لکھوایا جو رومی زبان لکھنا پڑھنا جانتا تھا[3]۔ اور بڑی دقت سے عربی زبان بول سکتا تھا۔ احمد بن عبدالعزیز الدلف کا ایک فراش تھا اس کے بیٹے یحیٰی نے ان دونوں کے درمیان ترجمان کا کام انجام دیا اس نے رومی خط[4] میں لکھی ہوئی ایک کتاب اپنے باپ سے سن سن کر عربی میں منتقل کر دی۔

ابو معشر البلخی | تیسری تالیف ابو معشر کی کتاب الالوف[5] ہے۔ یہ جعفر بن محمد بلخی (متوفی ۲۷۲ھ)

---

[1] التنبیہ / ۱۳۲ [2] المروج ۲۶۹/۱ [3] حمزہ / ۴۸ [4] ایضاً [5] حمزہ / ۴۷

ہے جو علم افلاک اور نجوم میں شہرت رکھتا تھا۔[1] اسے یورپ والے ABUMASAR کہتے ہیں۔[2] ابن الندیم نے کتاب الالوف کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اسی مقالات پر مشتمل تھی۔[3] ابن صاعد الاندلسی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور مولف کے بارے میں کہا ہے: "یہ فارس والوں کے حالات اور سارے عجم کی خبروں کا سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔"[4] بروکلمان کہتا ہے کہ نیشنل لائبریری پیرس میں کتاب الادوار والالوف کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔[5] سوتر SUTER نے بھی کتاب الالوف فی بیوت العبادات کا حوالہ دیا ہے۔ جس کا ذکر البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ) کے ہاں ملتا ہے۔[6] ابو معشر کی دوسری کتابیں بھی ہیں جن میں سے کچھ لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔ ان میں ایک کتاب المدخل الکبیر الی علم احکام النجوم ہے اس کے خطی نسخے دنیا کی مشہور لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔[7] اسے جان ہسپالینسس JOHN HISPAIENSIS نے ترجمہ کیا تھا۔ اسی طرح ہرمانس سکندس HERMANUS SECUNDUS اور دوالماتا نے بھی ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ آگبرگ شہر (AUGSBERG) میں ۱۴۸۹ء میں چھپا تھا۔[8] کتاب القرانات بھی آگسبرگ ہی میں اسی سال شائع ہوئی تھی۔[9] مقدم الذکر آخری بار ۱۵۱۵ء میں شہر وینس VENICE میں چھپا۔

الطبری نے ابو معشر کا نام نہیں لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس کی کتابوں سے کچھ نقل نہیں کیا کیونکہ حمزہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ الطبری سے مختلف ہے اس سے ظاہر ہے کہ طبری نے ان ماخذ سے حاصل کیا ہے جن سے حمزہ نے نہیں کیا ورنہ یہ اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

ان دونوں مورخوں کے اقوال سے اور دوسرے تاریخ نگاروں کے بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان مورخوں نے یونان اور روم کی تاریخ پر خاص توجہ نہیں دی۔ جن مصنفوں کو مجبوراً اس موضوع پر لکھنا پڑا، کیونکہ یہ بہرحال تاریخ عام کا ایک باب تھا، انھوں نے ثانوی ذرائع پر اعتماد کیا۔ اصلی دستاویزیں اور بنیادی ماخذ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔ اس لئے کہ یہ مصادر لاطینی، سریانی یا اغریقی زبانوں میں تھے اور اختلاف لسان کی وجہ سے یہ لوگ ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجبوراً ترجموں پر بھروسہ کرنا پڑا یا مسلمانوں اور عیسائیوں کی ان تصانیف سے اخذ کیا جو عربی میں مدون ہوئی تھیں۔

SUTER: A.Z.G.M.W. VOL 31, X.28

[1] ابن القفطی/۱۰۵۲، ابن صاعد/۵۶-۵۷، ابن خلکان: الوفیات (طبع قاہرہ) ۱/۱۱۲ - بروکلمان ۱/۲۲۱

[2] انسائیکلوپیڈیا/۹۹ [3] الفہرست/۳۸۶ [4] طبقات الامم/۵۶ [5] بروکلمان/۲۴۵ [6] انسائیکلوپیڈیا/۱۰۰

[7] PARIS 5902, GARULLAH 1508, BERL. COD. ORIENT, SEMINAR. 46 HALID EF. 541 - YENI - 1193 MESH XVI. 50 ; S. BROCKELMANN. 395

[8] یہ اس عنوان سے چھپی ہے۔ INTRODUCTION IN ASTRONOMIAM ALBUMASARIS OCTO CONTINENS LIBROS PARTIALES & ABUMASAR DE MOGNIS CONJUNCTIONIBUS ET ENNORUM REVOLUTIONIBUS ......UM PROFECTIONIBUS OCTO CONTINENS TRACTATUS ENCY I. 100